

## کلاسیکل پنجابی شاعری: اجمالی جائزہ



Classical Punjabi literature has a rich tradition of poetry. Most of Classical Punjabi poets were sufi poets who enriched the literature as well as language. This article presents an introduction to prominent Punjabi classical poets.

ہماری قدیم، عظیم اور بیحد پنجابی زبان کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہ صوفیوں اور درویشوں کے ہاتھوں جوان ہوئی ہے اور اس کا سند زرنگ روپ روحانی آب و تاب رکھتا ہے۔ پنجابی زبان کی کلاسیکل شاعری جسے صوفیانہ شاعری بھی کہا جاتا ہے، اپنے دامن میں بیش بہا اصول لعل جواہر لئے بیٹھی ہے۔ ہمارے تمام پنجابی صوفی شعراء بیک وقت صوفی، عوامی، کلاسیکل اور آفاقی شاعر ہیں۔

دانشوروں نے کلاسیکل یا کلاسیکی لفظ کی خوبصورت انداز میں مختلف شرحیں بیان کی ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ "کلاسیکل شاعری وہ شاعری ہوتی ہے جو ہر زمانے کے ساتھ اپنے فکری اور فنی انداز میں زندہ اور جوان رہتی ہے۔" (۱) یہ معنوی گہرائی کے حوالے سے ہر دم ہمارے محسوس ہوتی ہے۔ کلاسیکل شاعری ماضی کا عظیم جہ ہے جو صدیوں کے گزر جانے کے باوجود نیا لگتا ہے اور ہمارے حال میں سانس اور لبو بن کر ہمیں زندگی کی توت بٹاتا رہتا ہے۔

کلاسیکل شاعری ہر عمر کے لوگوں کو زندگی کی حقیقی خوشی دیتی ہے اور ہر قسم کے تعصب کی مذمت کرتی ہے۔ کلاسیکل شاعری ہمیشہ نئی منزلوں اور نئی سمتوں کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور داخلی و خارجی حوالے سے معنوی جہالوں میں لے جاتی ہے جہاں لفظوں کے نئے نئے اور تہہ در تہہ روپ سامنے آتے رہتے ہیں۔ یہ شاعری جذبوں کی سچی اور عظمت کی مالک زندگی کی آئینہ دار ہے۔ اس کا تعلق معاشرت، تہذیب اور لوک روایات سے گہرا ہوتا ہے۔ یہ شاعری ماضی کے ورثے کو حال کے شعور، سچ اور آشوب میں اس طرح سموتی ہے کہ اس میں لہری حقیقت ہماری مٹی کی خوشبو بن جاتی ہے۔ کلاسیکل شاعری رومی عصر کے حوالے سے انسانی محرومیوں، دکھوں، خواہشوں، امیدوں اور خوشیوں کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ "یہ شاعری اپنے عہد کے علاوہ آنے والے ہر دور میں عوامی اہمیت رکھتی ہے اور زبان کے حوالے سے بھی یہ مکمل اور مستند عوامی شاعری ہوتی ہے۔" (۲)

انسانی احساس، فکر، گہرائی اور وسعت کے حوالے سے کلاسیکل شاعری نے امکانات کی حقیقی اور بڑی شاعری ہے جو ہر عہد کے لوگوں کے دلوں میں خوشبو بن کر مہکتی ہے۔ بلاشبہ کلاسیکل شاعری دائمی سدا بھارا، ازلی اور لہری شاعری ہے۔

کلاسیکل شاعری کی مندرجہ بالا تعریف پر ہمارے پنجابی صوفی شعراء نہ صرف پورے اترتے ہیں بلکہ عرفانی اور وجدانی حوالے سے ہمارے کلاسیکل پنجابی شعراء زمین کے ساتھ آسمان کے رشتے اس طرح جوڑتے ہیں کہ بندے اور خدا کا رشتہ مضبوط ہو جاتا ہے۔ اسلامی تصوف کے حوالے سے ہمارے پنجابی صوفی شعراء عالمی ادب میں اپنا ایک معتبر اور اہم منفرد مقام رکھتے ہیں۔ پنجابی کی صوفیانہ اور کلاسیکل لہری شاعری میں بابا فرید، شیخ شکر، شاہ حسین، سلطان باھو، بٹھے شاہ، علی حیدر، وارث شاہ، سید ہاشم شاہ، بچل سرمست، میں محمد بخش، خواجہ غلام فرید، اور مولوی غلام رسول چاہپوری بڑے عوامی صوفی کلاسیکل اور

آفاقی شاعر مانے جاتے ہیں۔ پنجابی کے تمام کلاسیکل یا صوفی شعراء کی فکری اساس اسلامی روح اور اسلامی تصوف ہے۔  
 "اسلامی تصوف کی تاریخ حضورؐ رلور کے مجاہدات اور عبادات سے شروع ہوتی ہے۔" (۳) "حضورؐ پاک کے صحابہ کرام فقیر اور زہد کے بڑے اعلیٰ نمونے تھے۔" (۴) جس طرح عربی اور فارسی کے صوفی شعراء نے اسلامی تصوف کی جامع اور موثر صوفیانہ شاعری کی ہے، اسی طرح پنجابی صوفی شعراء کی کلاسیکل شاعری کے موضوعات بھی خالصتاً اسلامی تصوف کے ہیں۔ جن میں تو حید، رسالت، یا د الہی، فقر، زہد، صبر، شکر، عجز، توبہ، علم و عمل، ذکر، فکر، غناء، عشق، حیرت، وصل کی سرمستی، وصال کی تڑپ، جذب و مستی، بیداری، نفس کی پہچان، روحانی پاکیزگی، دل کی حضورؐ، جبر و فراق، موت کی حقیقت، جزا و سزا، انگنا کا خوف، دنیا داری و ریا کاری کی مذمت، فلسفہ وحدت الوجود، توکل، فکر آخرت، نیک اعمال پر زور اور ظاہری و باطنی برالیاات کے مضامین سر فہرست ہیں۔ ہمارے صوفی شعراء نے مادہ پر روح اور دنیا پر آخرت کو فوقیت دی ہے۔ پنجابی صوفی شعراء صرف باطنی مجاہدات اور سرمستی کی داخلی دنیا میں ہی غم ہو کر نہیں بیٹھ رہے بلکہ انہوں نے اپنے عصری، سماجی، معاشرتی، سیاسی، تہذیبی اور اخلاقی آشوب پر بھی گہری نظر رکھی ہے، اور انھوں نے لوگوں کی زبان میں لوگ تہذیبی علامتوں کے ساتھ سادہ گہرا گہرا شیر لہجے میں لوگوں کے دکھ درد بیان کر کے عصری غم نگاری کی ہے۔ پنجابی صوفی شعراء نے فرقہ پرستی، معاشرتی تعصب، مذہبی تنگ نظری، انسانی، ظلم، جبر اور ہر قسم کے استحصال کے خلاف عوامی اور علامتی انداز میں مزاحمتی یا انقلابی شاعری سے عوام کے زخموں پر مرہم پاشی کی ہے۔ "پنجابی صوفی شعراء نے جاگیر داری نظام کے خلاف بھرپور آواز اٹھائی ہے۔" (۵) اپنے عصری آشوب پر کسی صوفی شاعر نے بلند آہنگ میں بات کی ہے تو کسی نے دھیمے لہجے میں بات کی ہے اور کسی نے علامتی انداز میں ظلم جبر کی مذمت کر کے عوامی صوفی شاعر ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ ہمارے ہر صوفی شاعر کی کٹھن ملازم یا مصوچی جبر اور تنگ نظر مذہبی روایات سے کھلم کھلا جنگ رہی ہے۔ ہمارے صوفیائے تصوف کی اصل روح - انسانی مساوات، عدم تعصب و روا داری اور "آفاقی انسانی محبت" (۶) کی بھرپور آفاقی شاعری کی ہے۔ یہاں یہ بات خصوصی اہمیت رکھتی ہے کہ ہمارے صوفی شعراء نے اپنی خانقاہوں یا اپنے روحانی حلقوں میں غم ہو کر زندگی نہیں گزاری بلکہ انھوں نے فعال اور بھرپور معاشرتی زندگی گزاری ہے اور لبدی روح عصر بن کر عوام کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھ کر انسانیت سے اپنی آفاقی سانچہ بھائی ہے۔ اصناف سخن کے حوالے سے ہمارے صوفی شعراء کی کلاسیکل شاعری کبھی شلوکوں میں نکھری ہے، کبھی اس نے کافیوں، سی حرفیوں، بیٹوں اور دوہڑوں کا خوبصورت روپ دھارا ہے اور کبھی اس نے داستانوں کے مثنوی اور لمبے بیٹوں کے رنگ میں عوامی رومانی کرداروں کی حقیقی رمز بن کر انسانی فکر، سوچ اور انسانیت کی بھرپور اصلاح اور آبیاری کی ہے۔ فنی حوالے سے بھی کلاسیکل شاعری مترنم اور گانگیکی سے بھرپور عوامی شاعری ہے۔ بقول "ڈاکٹر لا جوئی رام کرشن"..... پنجابی صوفیانہ شاعری ادبی حوالے سے بھی اعلیٰ مقام رکھتی ہے۔" (۷)

تمام پنجابی صوفی شعراء..... فارسی اور عربی کے نہایت جدید عالم تھے۔ مگر انہوں نے لوگوں کی زبان کو اپنے اظہار کا وسیلہ بنایا ہے اور پنجابی زبان میں اعلیٰ مقام کی صوفیانہ کلاسیک شاعری سے پنجابی زبان کی روحانی آبیاری کی ہے اور اس کی جڑیں زمین میں پاتاں تک پھیلا دی ہیں۔ اب ہم ان صوفی شعراء کی لافانی شاعری پر اپنی نظر ڈالتے ہیں۔

بابا فرید گنج شکر..... (۱۱۸۸ء تا ۱۲۸۰ء) (۸)

بابا فرید گنج شکر پنجابی کے پہلے بڑے باقاعدہ صوفی شاعر بن کر سامنے آتے ہیں۔ بابا فریدؒ سے پہلے پنجابی زبان میں لوگ شاعری اور اتھ جوگیوں کی فعال اصلاحی شاعری ملتی ہے۔ پھر اسلامی فکر کے حوالے سے ہمیں حاجی بابا رتن اور شاہ عیسیٰ مزبوراری کے کچھ شعری نمونے بھی ملتے ہیں۔ اتھ جوگیوں نے شلوکوں میں شاعری کی ہے۔ شلوک ایک ہیئت کی کالی ہے جو مختصر

نظم کا ایک شعری جامع فکری روپ ہے۔ بابا فریدؒ نے بھی رائج الوقت عوامی مشفق شلوک میں ہی اسلامی، اخلاقی اور روحانی شاعری کی ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ پنجابی زبان ایک قدیم زبان ہے جو مختلف زبانوں میں مختلف ناموں سے موسوم رہی ہے۔ جیسے لاہوری، ہندی، ہندوی، ملتان، ریاستی، لہندی، اور شکنی وغیرہ۔ پنجابی زبان کو حید اکبری میں پنجابی کے نام سے لکھا گیا ہے۔ اس حوالے سے بابا فریدؒ کی شاعری کو ملتان شاعری بھی کہا گیا ہے۔ بابا فریدؒ اسلام کے عظیم داعی، روحانی بزرگ اور عارفانہ شاعری کے مالک تھے۔ ان کی شاعری میں تہذیبی علامتوں کے حوالے سے لادالہی، اسلامی تبلیغ، کردار کی اصلاح اور روحانی شعری اظہار کے شاندار اور بادقار نمونے ملتے ہیں۔ دراصل بابا فریدؒ کی شاعری اسلامی فکر اور عملی اساس کی شاعری ہے جس پر اسلامی مذہبی رنگ بڑا گہرا ہے۔ ان کے ہاں اسلامی تصوف کے مضامین کم بیان ہوئے ہیں۔ مگر لادالہی، عبادت، اخلاق اور فکر آخرت کے حوالے سے انھوں نے انسانیت کی بڑی جامع اور فعال شاعری کی ہے۔ بابا فریدؒ..... حضرت خواجہ معین الدینؒ چشتی کے خلیفہ خواجہ بختیار کاکیؒ کے مرید تھے۔ اور یہ دونوں بزرگ فارسی کے قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ بابا فریدؒ نے پنجاب میں اسلام کے فروغ کے لیے تاریخی کردار ادا کیا ہے اس لیے آپ کو ”محبس پنجاب“ بھی کہا جاتا ہے۔ بابا فریدؒ کا کلام سکھ مت کے بانی بابا گورو نانک نے اپنی کتاب ”آدرنگھ“ میں مثالی کیا ہے۔ آپ کی زبیر ہندی بھاشا کا گہرا اثر ہے مگر آپ کا لہجہ سادہ اور عوامی ہے۔ بابا فریدؒ نے عصری سماجی، سیاسی اور تہذیبی آشوب کو اپنی شاعری میں سمو کر لوگوں کو امن، سلامتی اور روحانی سکون کا پیغام دیا ہے۔ آپ کی کلاسیکل شاعری میں..... لوجید، بندگی، اطاعت، فقر، صبر، شکر، ذکر، رضا، ہمت، عجز، علم، عمل، خودی، دنیا کی بے ثباتی، فکر آخرت، موت کی حقیقت، بیداری، نیک اعمال کی تلقین، جنتی حقیقی، رفان مرشد سے محبت، حق و برداشت، آس امید، اخلاق، روحانی سرمستی، ریا کاری کی مذمت، انسانیت اور ہجر و فراق کے مضامین بڑے بر اثر اور عوامی زبان میں بیان ہوئے ہیں، آپ کی شعری علامات میں..... ساہوڑا گھر، پیکا گھر، واپ، ہنس، کاگ، لگلا، ماگھی، گلو، سائیں، چھبڑ، سہاگ، جنگل، دریا، شوہ، نمیں، مٹی، مہربہ، کھیتی، کھوہی، کول، دڈھ، لیچھا، تندور، دکھڑا، مانجھی، کنڈھی، اگ، واسا اور اس طرح کی دوسری علامتیں رمز و معانی کے خوبصورت جہان دکھاتی ہیں، جہاں شعور و آگہی اور وجدان کی سرمست و بیدار کائنات پھیلی ہوئی ہے۔ آپ کے کلام میں خود گھڑی کا ذومعنی آجنگ فکر و فن کا خوبصورت امتزاج رکھتا ہے۔ بابا فریدؒ کے صوفیانہ کلام کی چند مثالیں دیکھئے اور فکر و نظر کو سیراب کیجئے:

فریدا جے توں عقل لطیف کالے لکھ نہ لکھ  
بھڑے گریوان میں سر نیواں کر کے وکھ (۹)

رکھی سکھی کھا کے ٹھنڈا پانی پی  
فریدا وکھ پرائی چو پڑی نہ ترسائیں جی (۱۰)

فریدا خاک نہ تندھے خاکو جیڈ نہ کو  
جیو دیاں بھراں تھلے مویاں آپر ہو (۱۱)  
بڈھا ہویا شیخ فرید کنوں گھی دیہ  
جے سو ورھیاں جیو نہ بھی تن ہوی کھیہ (۱۲)

”اللہ لور اسلو ات وئی الارض“ اور فلسفہ وحدت الوجود کے حوالے سے بابا فریدؒ کا درج ذیل شلوک زبان زد خاص و عام ہے اور اس میں انسانیت کے احترام کا درس بھی موجود ہے۔

فرید خالق خلق میں، خلق وئے رب مانہ

منہا کس لوں آکھیے جاں تس بن کوئی مانہ (۱۳)

بلاشبہ بابا فرید..... پنجابی زبان کے پہلے آفاقی صوفی شاعر ہیں، جن کی کلاسیکل شاعری فکری اور فنی حوالے سے لافانی شاعری ہے۔ بابا فرید کے لقب "حج شکر" سے متعلق کئی روایات موجود ہیں، ان کی حقیقت اپنی جگہ مگر یہ بڑا حج ہے کہ بابا فرید کی شکر جیسی مبہم شاعری آٹھ صدیوں سے قلب و جاں کی تمام کز وائٹس دوکر رہی ہے۔

شاہ حسینؒ (۱۵۳۸ء تا ۱۵۹۹ء) (۱۴)

شاہ حسینؒ پنجابی کے دوسرے صوفی شاعر ہیں۔ بابا فرید اور شاہ حسینؒ کے درمیان تین سو (۳۰۰) برسوں میں کسی صوفی شاعر کا کلام دستیاب نہیں ہو سکا۔ البتہ امیر خسرو اور گورونک کا شعری ادبی ورثہ ضرور ملتا ہے۔ زندگی اور تصوف کے حوالے سے شاہ حسینؒ کی زندگی بڑی ہنگامہ خیز گزری ہے۔ آپ حضرت بہلول درویشؒ کے مرید تھے۔ آپ نے زہد و عبادت اور روحانی مجاہدات میں زندگی کے چھتیس (۳۶) سال مکمل شرعی حالت میں گزاریے۔ مگر ایک دن قرآنی آیت (ترجمہ) "یہ دنیا کھیل تماشے کے سوا کچھ نہیں" کی تفسیر پڑھتے ہوئے اچانک مجذوبی رنگ اختیار کر لیا اور اپنے زندگی مجذوبیت اور ملاحتی رنگ میں گزاری دی۔ ایک ہندو لڑکے مادھولال کے حوالے سے (جو آپ کا مرید بن گیا تھا) آپ پر بتائیں بھی لگیں۔ اسی طرح لاہور میں موجود شاہ شاہ اکبر اور جہانگیر کے حوالے سے بھی آپ سے متعلق کئی مناظر فانی اور اعتقادی واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔ آپ کی کئی کرامات مشہور ہیں۔ آپ لاہور کی سڑکوں پر سرست ہو کر پاتے اور گاتے رہتے ہیں۔

شاہ حسینؒ کو پنجابی کافی کا بابی مانا جاتا ہے۔ آپ نے فارسی میں تصوف کا ایک رسالہ "تہنیت" بھی لکھا ہے۔ آپ کی شاعری ایک مسلمان فقیر کی عارفانہ اور کلاسیکل ہر روز شاعری ہے۔ آپ کا بیٹھا اور دھیمالہجہ عاجزانہ اور مستانہ ہے۔ سنائی لہجے میں آپ کی منفرد وجدانی کلاسیکل شاعری قلب و جاں کو سرست بنا دیتی ہے۔ شاہ حسینؒ نے چنے چنے نیاں کے حوالے سے بڑی رمز بھری علامتی شاعری کی ہے اور چنے کی "تھیں" سے انسانی زندگی کو گھما کر رکھ دیا ہے۔ آپ پہلے صوفی شاعر ہیں جنہوں نے ہیر اور رانجے کے رومان کی کرداروں کو روحانی علامتوں میں بیان کیا ہے، آپ کی شعری علامات/ہیر (روح)، رانجھا (خدا)، چنہ (جسم)، کللا (دل)، چنے کا چلنا (بندگی، بیداری)، پوٹی (نیک اعمال)، پیکا (دنیا)، سوہرا (آخرت)، کالا ہرن (نفس ہمارہ) وغیرہ شعور و آگہی اور فکر و معانی میں ابھری چراغ جلا رہی ہیں۔ آپ کے شعری موضوعات میں تو حید، غر، فقر، ذکر، عشق کی سرمستی، بیداری، عمل، فکر، آخرت، دنیا کی بے ثباتی، موت برحق وائل، گناہ کا احساس، زاری، دعا، وصل کی آرزو، دل کی پاکیزگی، ہجر و فراق، درد کی مصوری، دل کی حضوری، لالچ اور دیا کاری کی مذمت، مرشد سے محبت، سماجی جج، سچی عبادت اور فلسفہ وحد الوجود کے مفہامین اسلامی تصوف کی خوبصورت عکاسی کرتے ہیں۔ فنی حوالے سے آپ کی کافوں پر گیت رنگ غالب ہے جو تنزل کا مزہ بھی دیتا ہے۔ شاہ حسینؒ کی گاتی اور اچنی کلاسیکل کافوں کی جھلک دیکھئے۔ شعری روائی اور جادو بیانی پورے کمال اور جمال کے ساتھ جلوہ افروز ہے۔

نی تینوں رب نہ بھلی دعا فقیراں دی ایہا

سو کا روپا سبھ چھل ویسی، گا عشق نہ ایہا (۱۵)

چنہ بولے "سائیں سائیں" باو بولے "لوں"

کے حسین فقیر سائیں دا میں ماچیں سب لوں (۱۶)

اندھوں ہے باہر توں ہیں روم روم وچ توں  
توں ہی تا توں ہی باا سبک کجھ میرا توں (۱۷)

مائے نی مینوں کھیڑیاں دی گل نہ آکھ  
راٹھن مینڈا میں راٹھن دی کھیڑیاں کوڑی جھاک (۱۸)

عملاں اپر ہوگ نیڑا کیا صوفی کیا بھنگی  
جو رب بھاوے سو ای تھیں، سو ای بات ہے چنگی (۱۹)

حضرت سلطان باہو (۱۶۴۹ تا ۱۶۹۱ء) (۲۰)

حضرت سلطان باہو پنجابی کے تیسرے بڑے صوفی شاعر ہیں۔ آپ کا اصل نام ہوا اور لقب سلطان ہے۔ والد صاحب  
مثل بادشاہ شاہجہاں کے فوجی عہدے دار تھے، جن کو بچاوری کے صلے میں شوروکوت کے قریب زمین ملی۔ آپ کی تربیت میں  
آپ کی والدہ راجنی لی لی کا نمایاں کردار ہے۔ حضرت باہو حضرت عبدالرحمن دہلوی کے مرید تھے مگر روحانی طور پر آپ براہ  
راست حضور اکرمؐ سے فیض یاب تھے۔ پنجاب میں اسلام کے فروغ میں آپ کا کردار فعال رہا۔ آپ کا چہرہ اتنا حسین اور نور  
تھا کہ غیر مسلم آپ کو دیکھ کر مسلمان ہو جاتے تھے۔ آپ نے سخت مجاہدے اور ریاضتیں کیں۔ آپ کی کئی کرامات مشہور ہیں۔  
آپ فارسی اور عربی کے جدید عالم تھے۔ آپ کی بزرگ شخصیت اور بزرگی و درویشی کی شہرت چاروں طرف تھی۔ حضرت باہو کے حوالے  
سے جھگ کا نام معتبر ہوا۔

حضرت باہو نے فارسی شعر و نظم میں ایک سوانح لیس (۱۳۹) کتابیں لکھیں مگر آپ کی پنجابی صوفیانہ شاعری کی مختصر کتاب  
"چٹے دی بوٹی" کو شہرہ آفاق نمود و عزت ملی۔ آپ سے پہلے گوروں کا اور کچھ شعرا کا کسی حریف کے رنگ میں کلام ملتا ہے۔ مگر  
باقاعدہ طور پر اسلامی تصوف کے حوالے سے آپ پنجابی ہی حریف کے پہلے صوفی شاعر ہیں۔ آپ کی کسی حریف کی مخصوص "ہو" والی  
ردیف ایک ایسی عرفانی اور وجدانی آواز ہے جو قلب و نظر میں روحانی سرمستی اور عرفان و آگاہی کی روشنی بکھرتی چلی جاتی ہے۔  
آپ خالص اسلامی تصوف کے باوقار اور کبرے عوامی صوفی شاعر ہیں اور آپ کی شاعری میں مجازی رنگ بالکل نہیں ملتا۔ آپ  
اول و آخر باعمل صوفی شاعر ہیں۔ آپ کی شاعری کا بڑا حصہ عشق حقیقی کے فلسفے، تصور مرشد و مرشد کی اہمیت اور مقام فقر کی تفہیم  
پر مشتمل ہے۔ آپ کے لیے میں عرفانی جوش و ولولہ، مردانگی، بے باکی، حق گوئی اور دردمندی کا رنگ نمایاں ہے۔ آپ کے  
شعری موضوعات میں حب الہی، حب رسولؐ، فلسفہ وحدت الوجود، مرشد سے والہانہ محبت، عشق کی سرمستی، فکر آخرت، دنیا کی  
بے ثباتی، حب دنیا سے نفرت، ہجر و وصل، ریا کاری اور ظاہر داری کی مذمت، فقر، ہجر، جذب و مستی، توکل، ہمت، عمل، بیداری  
اور انسانی فلاح کے مضامین خوبصورت سربمدی اور عوامی ابلاغ کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ علامہ اقبال پر آپ کی عرفانی شاعری  
کا گہرا اثر موجود ہے۔ علامہ اقبال نے شاعری کے تصور آپ کی شاعری سے ہی لیا ہے۔ حضرت باہو کی زبان پر عربی اور فارسی  
کے گہرے اثرات ہیں۔ آپ حضرت باہو کے شعری گستاں میں چلتے ہیں اور خوشبوئیں سینتے ہیں۔

الف اللہ چٹے دی بوٹی مرشد من وچ لائی ہو  
لئی اثبات دا پانی ملیں ہر آگے ہر جانی ہو  
اندھ بوٹی منک مچا جاں پھلاں تے آئی ہو

جیوے مرشد کال باہو نہیں ایہہ بوٹی لائی ہو (n)

ایہہ تن رب سچے دا حجرہ وچ یا فقیرا جھانی ہو  
نہ کر منت خواج خضر دی نہیں اندر آپ حیاتی ہو (۲۲)

باہج حضوری نہیں منظوری ہے پڑھن بانگ صلاتاں ہو  
روزے، نفل، نماز گزراں ہے جاگن ساریاں راتاں ہو (۲۳)  
میں شہباز کراں پروازاں وچ فلاک کرم دے ہو  
زباں تاں میری "کن" براہ موڑا کم تلم دے ہو (۲۴)

اندر ہو تے باہر ہو وت باہو کتھ لکھندا ہو  
ہو دا داغ محبت والا ہر دم چا سڑیندا ہو (۲۵)

دل دریا سمندروں ڈوٹھے کون دلاں دیاں جانے ہو  
وچے بیڑے وچے نہیڑے وچے وچھ مہانے ہو  
چوداں طبق دلے دے اندر تنبو وانگن تانے ہو  
جوں دل دا محرم ہووے سوئی رب پچھانے ہو (۲۶)

سید بُھے شاہ (۱۶۸۰ء تا ۱۷۵۸ء) (۲۷)

سید بُھے شاہ پنجابی کے ہے باک، سرست اور مقبول عوامی صوفی شاعر ہیں۔ اصل نام عبد اللہ ہے۔ شاعری کی جہ سے  
بُھاشا کہلائے۔ روایت کے مطابق سید بُھے شاہ اور سید وارث شاہ دونوں ہم کتب تھے، جہاں تصور میں آپ نے معروف عالم  
غلام مرتضیٰ قصوری سے دنیاوی علوم حاصل کئے۔ آپ نے سخت روحانی مجاہدے کئے پھر عنایت شاہ قادری کے مرید ہوئے جو  
حضرت میں ہیر کے شطاری قادری سلسلے کے بزرگ تھے۔ مرید و مرشد کا والہانہ چار اہتمام مشہور ہوا کہ دونوں ایک دوسرے کی  
پہچان بن گئے۔ آپ محفل جامع کے دلدادہ تھے اور عالم جذب و مستی میں "تھنیا تھنیا" کر کے مانپتے اور گاتے تھے۔ آپ سلیخ کل  
صوفی درویش تھے اور ہر مذہب کے لوگ آپ کے معتقد تھے۔ آپ نے راہ طریقت میں ملاحتی زندگی تھنیا رکی۔ آپ کی کئی  
کراٹھیں زبان زد عام ہیں۔ پنجاب اور سندھ کے عراکس میں آپ کا کلام خصوصی روحانی شوق و ذوق سے گایا اور سنا جاتا ہے۔  
حضرت بُھے شاہ قادری کا کلام عوامی صوفی شاعر تھے۔ آپ نے دہلی مناسبت کیلئے عوامی سلیخ پر آفاقی اور کلاسیکل شاعری کی  
ہے۔ آپ نے شاہ حسین کی بیروی میں پنجابی کافی کو اپنے سرمدی صوفیانہ مضامین سے سرست بنادیا ہے اور چنے کی علامتوں  
کو عوامی اور صوفیانہ رنگ میں بیان کیا ہے۔ آپ نے کافی کے علاوہ سی حنفی، بارال ماہ، دوہڑے اور گنڈھال میں بھی رمزیہ اور  
عارفانہ شاعری کی ہے۔ آپ صاحبِ حال اور صاحبِ قال صوفی درویش تھے۔ آپ کے کلام میں پنجاب کی ثقافت کی خوبصورت  
مصوری ملتی ہے۔ سنائی لہجے میں آپ کی پرورد رمزیہ شاعری قلب و جاں میں سوز و گداز کی زلالی مستی عطا کرتی ہے۔ سید بُھے  
شاہ..... پنجاب میں فلسفہ وحدت الوجود کے ہے باک پرچارک مانے جاتے ہیں۔ آپ کی شاعری میں عصری آشوب کی  
پُردہ عوامی عکاسی بھی ملتی ہے۔ آپ نے لوک لہجے میں ہیر اور رانجھا کے رومانی کرداروں کو روحانی سانچے میں ڈال کر اسلامی  
تصوف کے مضامین کو دلکش اور دلنشین انداز میں پیش کیا ہے۔ آپ کے عارفانہ شعری مضامین میں تو حید، عشق الہی، مرشد کے

ساتھ والہا نہ محبت، فلسفہ وحدت الوجود، فنا فی اللہ، فقر، عمل، عجز، اخلاق، انسانی مساوات، رواداری، مذہبی وسعت نظری، ظلم جبر کے خلاف مزاحمت، ریا کاری کی مذمت، فکر آخرت، بیداری، دنیا کی بے ثباتی، جھگ، وصل کی سرمستی، آتش ہجر، تڑپ، بے خودی، امن، نفس کی پاکیزگی، موت کی حقیقت، سماجی درد، آفاقی انسانی محبت اور روحانی سرشاری کے خوبصورت ادبی رنگ عوامی صوفیانہ شاعری کی لافانی قوس قزح دکھلا رہے ہیں۔ آپ کی زبان عوامی اور لہجہ راسخ ہے۔ ایسے شاہ کی عرفانی کلاسیکل شاعری کے چند سدا بہار پھول دیکھئے:

پھر نقطہ چھوڑ حبلوں لوں      کردور کفر دیاں باباں لوں  
بھڑ دوزخ گور غلاں لوں      کر صاف دلے دیاں خولوں  
گل ایسے گھرو چھ ڈھل دی ہے      اک نقطے وچ گل مکدی ہے (۲۸)

رانجھا رانجھا کردی نی میں آپے رانجھا ہوئی  
سڈولی مینوں دھیدو رانجھا ہیر نہ آکھو کوئی (۲۹)

بھدے بوڑیں وے طپیا نہیں تے میں مرگیاں  
تیرے عشق نہال کر کے مٹھیا مٹھیا (۳۰)

کرمان نہ صن جوانی دا پردیس نہ دکن سیلائی دا  
کوئی دنیا بھوٹی نالی دا نہ دسیا نہٹان کڑے (۳۱)  
کرکتیں ول دھیان کڑے

نہ میں مومن وچ مسیت آں      نہ میں وچ کفر دی ریت آں  
نہ میں پا کاں وچ پالیت آں      نہ میں موی نہ فرعون  
بٹھا کیرہ جلاں میں کون (۳۲)

علی حیدرؒ (۱۶۹۰ تا ۱۷۸۵ء) (۳۳)

حضرت علی حیدرؒ پنجابی سی حرنی کے دوسرے بڑے صوفی شاعر ہیں۔ حضرت سلطان باہو کے بعد علی حیدرؒ نے پنجابی سی حرنی کو اپنی صوفیانہ فکر سے چار چاند لگا دیے ہیں۔ آپ مثل زوال کے بڑے دردمند مقبول صوفی بزرگ ہیں۔ آپ کے والد محمد امین قریشی عالمگیری عہد میں پیر محل کے علاقے (چونترہ، موضع قاضیاں وغیرہ) میں قاضی تھے۔ آپ نے دنیاوی تعلیم ملتان سے حاصل کی۔ اوائل عمری سے ہی آپ خدا اور رسولؐ کی محبت میں سرمست رہتے تھے۔ آپ نے دلی جا کر معروف چشتی بزرگ خواجہ نضر جہاں دہلوی کی مریدی اختیار کی۔ خواجہ نور محمد مہارویؒ آپ کے پیر بھائی تھے۔ علاقے کے قاضی بنائے گئے مگر دنیاوی شہورت سے بے نیازی اور فقیری کے ہاتھوں جاہ و منصب کو بچ دیا۔ آپ مزاج کے سادہ، اعلیٰ انسان اور اونچے درویش تھے۔ آپ باشرع اور باعمل صوفی بزرگ تھے۔ علاقے میں آپ کی کئی کرامات مشہور ہیں۔ آپ سے والہانہ عقیدت رکھنے والے میں مولوی لطف علی بہاوی پوری، خواجہ نور محمد مہارویؒ، حضرت عبدالکلیمؒ، خواجہ سلیمان تونسویؒ، خواجہ نذیر بخش تونسویؒ،

خواجہ غلام فرید اور میر علی شاہ کولڑوی کے نامبر فہرست ہیں۔

حضرت علی حیدرؒ نے عوامی طرز و آہنگ میں بڑی بھرپور صوفیانہ شاعری کی ہے۔ بار لہجے میں آپ کا عارفانہ کلام پورے پنجاب میں مشہور ہے۔ چشتی درگاہوں پر آپ کا کلام خصوصی محبت اور عقیدت سے گایا جاتا ہے۔ آپ نے ہیر رانجھا کی مجازی علامتوں کو سرست روحانی علامتیں بنا کر عشق حقیقی کی وجدانی شاعری کی ہے۔ عشق مجاز کے پردے میں آپ کی حقیقی حقیقی کی عرفانی عوامی شاعری۔ آفاقی کلاسیکل پنجابی شاعری کا عظیم سرمایہ ہے۔ آپ کے شعری آہنگ کے پیچھے عرفانی دھماکے کی آواز صاف سنائی دیتی ہے۔ آپ مغل زوال کے آشوب کے بڑے شاعر ہیں۔ آپ نے نادر شاہ کے صلے کے خلاف مغل فوج کی بزدلی کی کھرباؤں پر لہجے میں مذمت کی ہے۔ آپ نے بے قرار اور پریشان لوگوں کو حوصلے، امید اور امن کا پیغام دیا ہے۔ دیس پیار کے حسالے سے علی حیدرؒ بے باک عوامی شاعر بن کر سامنے آتے ہیں۔ سنائی لہجے میں آپ کی سوز و گداز اور جذب و مستی میں ڈوبی وجدانی، بیٹھی اور گلش شاعری من کے نادر ہلا دیتی ہے۔ آپ نے سی حرنی کی ہیئت میں بڑی فی رنگارنگی پیدا کی ہے۔ آپ نے اپنی سی حرنی کو بیک وقت کافی، گیت، غزل، رباعی اور ڈھولا کی گلش صنف بنا کر گروہن کے لہری چرائے دیے ہیں، آپ نے سی حرنی میں چار مصرعوں سے لے کر تیس (۲۰) مصرعوں تک کے بندیا ایات لکھے ہیں۔ علی حیدرؒ نے سی حرنی کی فی ضروریات کا بھی پورا خیال رکھا ہے۔ آپ کے شعری موضوعات میں توحید، رسالت، غلامی و وحدت الوجود، ربی عشق کی سرمستی و سپردگی، فقر، ذکر، عمل، بیداری، تقویٰ، امید، فکر، اثر، دل کی حضوری، دنیاوی مال و منصب کی ناپائیداری، ہجر و فراق کی زاری و بے قراری، قلب کی پاکیزگی اور جذب و ہجر کے مضامین اسلامی تصوف کے لہری خزانے بانٹ رہے ہیں۔ آپ نے باریک کشادگی کا نام مصوری کی ہے۔ آپ کا کلاسیکل بار لہجہ کالوں میں عرفانی رس گھول دیتا ہے۔ آئے کچھ دے کیلئے علی حیدرؒ کی عارفانہ شاعری کے وجدانی جہان کی سیاحت کرتے ہیں۔

الف۔ اٹھ سوائی تے گھٹ مدھالی ویاوا گچھلی رات دا ای  
لوں ہوئی دھمی تے دہی نہ جی رزکنا بھی کسے گھات دا ای  
بٹ نہ ٹئے تے دودھ نہ وئے ویلا وقت برات دا ای  
جویں دودھ تھیں دہی مکھن وے حیدر لوں فرق نہ رب دی ذات دا ای (۳۳)

ب۔ بھی زہر جو کھا مرن کچھ شرم نہ ہندوستانیاں لوں  
کیا حیا انھاں راجپاں لوں کچھ گج نہیں لورائیاں لوں (۳۵)

ج۔ علم دا پڑھتا نیک بہوں پر صحنے دی بات الوکھڑی اے  
جن تے سورج دی روشنی بہوں پر بار دی جھات الوکھڑی اے  
شب قدر دی رات بھی بہوں چنگی پر وصل دی رات الوکھڑی اے  
مشکل گھاناں سبھے او حیدر پر برہوں دی گھات الوکھڑی اے (۳۶)

د۔ ہتھے اوتھے اساں آس تینڈی اتے آسرا تینڈی زور دا ای  
مہیں سبھ حواڑے تینڈی ٹی سالوں خوف نہ گنڈیڑے چور دا ای  
لوں چن جان سوال جواب سبھ سالوں ہول نہ اوکھڑی گور دا ای  
علی حیدرؒ لوں سک تینڈی اے تینڈی باجھ نہ ساکں ہور دا ای (۳۷)



ع۔ عشق ماہی دی بھٹھی تپدی تپدی تے بھاہ بھاہ کرے  
عاشق سڑے تے تڑ تڑ کرے باہر عشق چا واہ واہ کرے (۳۸)

سید وارث شاہ (۱۷۲۴ء تا ۱۷۹۸ء) (۳۹)

عالمی ادب میں وارث شاہ کی کلاسیکل شاعری کو معتبر مقام حاصل ہے۔ وارث شاہ کی شہرہ عالم تخلیق "نبیر" ادب عالیہ کا لافانی شاہکار مانی جاتی ہے جس کا بے شمار زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ سخن کے وارث اور عظیم داستان گو شاعر وارث شاہ جنڈیالہ شیر خاں (شیخوپورہ) میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب کا نام گل شیر شاہ تھا۔ آپ نے ظاہری تعلیم قصور کے جید عالم غلام مرتضیٰ قصوری سے حاصل کی۔ روحانی بے قراری حضرت بابا فرید گنج شکر کی خانقاہ تک لے گئی، وہاں خانقاہ کے گدی نشین کے مرید ہوئے۔ آپ نے امامت اور خطابت کا باوقار مذہبی پیشہ اختیار کیا۔ ٹھٹھہ جلد میں آپ کے کسی گہرے رومان کا ذکر ملتا ہے۔ قصبہ ملہ پلس (سایہ وال) میں ۱۷۶۶ عیسوی میں اپنی شہرہ آفاق تخلیق "نبیر" لکھی۔ پھرتے پھرتے بھارت واپس اپنے آبائی قصبہ میں آئے اور بقیہ زندگی انسانیت کی خدمت کرتے اور معرفت کا درس دیتے گزار دی۔ آپ شریعت و طریقت کے باعمل صوفی بزرگ تھے۔ آپ جوئی و جذبے اور زندگی کے ولولے کے حامل عرفانی دانشور تھے۔ آپ نے مثل زوال کی افرا تفری، سکھوں کی دہشت گردی اور زخمی پنجاب کو قریب سے دیکھا۔ آپ کی شعری کرامتیں بھی مشہور ہیں۔

سید وارث شاہ کو عشق مجاز اور ع عشق حقیقی کے خوبصورت برزخ امتزاج کا منفرد اور صاحب اسلوب آفاقی شاعر مانا جاتا ہے۔ آپ کی تخلیق "نبیر" اٹھارہویں صدی کے پنجاب کی ہمہ پہلو تاریخ ہے۔ وارث شاہ کو پنجاب کا مصور اور "نبیر" کو پنجاب کا انسائیکلو پیڈیا کہا جاتا ہے۔ آپ انسانی قدروں کے علمبردار کلاسیکل شاعر ہیں۔ آپ نے قصہ "نبیر" کے علاوہ سحرانامہ، اشترانامہ، چوہنیر بڑی نامہ وغیرہ بھی لکھا اور قصیدہ "بردہ" کا منظوم پنجابی ترجمہ بھی کیا ہے۔ آپ کی لافانی تخلیق "نبیر" خوبصورت، دلکش، پراثر اعلیٰ معیار کی منفرد اور ذرا لائی رمزیہ داستان کے علاوہ اسلامی تصوف کے عارفانہ مضامین کی سدا بہار بھلاؤں کی بھی ہے جس کے پتے پتے اور پھول پھول میں رمز و معانی کی پردائش و حکمت کی سرمدی خوشبوؤں کے ابدی درپچے کھلتے چلے جاتے ہیں۔ وارث شاہ نے اپنی "نبیر" کا خاکہ دمو درداس، احمد کوئی اور حافظ قہیل سے لیا مگر قصے کا المیہ انجام اور جداگانہ منفرد واقعاتی رنگ و روپ خود تخلیق کیا۔ آپ نے بات مجازی میں رمز حقانی کی بھرپور عکاسی کی ہے۔ وارث شاہ کی کردار نگاری، منظر نگاری، جذبات نگاری، واقعہ نگاری، درد نگاری، تہذیبی مصوری، محاکاتی رنگ، مکالمہ نگاری، طنز، شوخی، رمز نگاری اور بزرگ عرفانی جادو بیانی بے مثال، باکمال اور لازوال ہے۔ موضوعاتی رنگارنگی سے بھرپور لیے مقبول بیڑوں میں وارث شاہ کی "نبیر" ہمہ جہتی فکر کا ایسا بارغ ہے جس میں ہر رنگ اور ہر خوشبو کے سدا بہار پھول قلب و جاں کو سموروں غور کرتے چلے جاتے ہیں۔ آپ نے عصری آشوب کی بے باک عکاسی بھی کی ہے۔ پنجاب "نبیر" میں سانس لے رہا ہے۔ پنجاب کی چوپائیس اور محفلیں نبیر خوانی کے مہمانی زمزموں سے مسحور چلی آ رہی ہیں۔ وارث شاہ کا "مقولہ شاعر" دلائی کی اصول اور امن مصوری کے ساتھ ساتھ اسلامی تصوف کے معروف مضامین کلمہ وحدت الوجود، فقر، خودی، عشق حقیقی کی سرمستی، جذب و مستی، عمل، بیداری، فکر آخرت، دنیا کی بے ثباتی، رضا اور نفس کی پاکیزگی کی خوبصورت اور بڑا شیر عارفانہ عکاسی بھی کرتا ہے۔ وارث شاہ نے "نبیر" کے آخر میں اپنے رومانی کرداروں کو روحانی علامتوں کا روپ دے کر اپنی صوفیانہ شاعری کی حیثیت منوالی ہے۔ دانش، آگہی اور عارفانہ بصیرت کے حوالے سے "نبیر" کے مسمرے ضرب آئین چکے ہیں۔ آئیے وارث شاہ کی کلاسیکل شعری گیلری میں چلتے ہیں۔

اول حمد خدائے دا ورد کچے عشق کینا سو جگ دا مول میاں

پیلوں آپ ہی رب نے عشق کینا مستوق ہے نبی رسول میاں (۴۰)

کبھی ہیر دی کرے تعریف شاعر منھے چکدا صن مہتاب دا جی  
خونی چھڈیا رات جیوں جن دوالے سرخ رنگ جیوں رنگ شہاب دا جی (۳۱)

بادشاہ سچا رب عالماں دا فقر اوہی دے چین وزیر میاں  
بناں مرشداں راہ نہ ہتھ آوے دودھ باجھ نہ ہندی پے کھیر میاں (۳۲)

ایہہ جگ مقام فنا دائے سہا ریت دی کندھ ایہہ جیونائے  
وارث شاہ میاں انت خاک ہوا لکھ آپ حیات پے جیونائے (۳۳)

ہیر آکھدی جوگیا جھوٹھ آکھیں کو رنڑوے یار ملاؤندائی  
ایہا کوئی نہ ملایا میں ڈھونڈ تھکی ہیرا گیاں لوں موڑ لیاؤندائی (۳۴)

ہیرے اک دے ماؤں تے محو ہوئے منظور خدا دے راہ دے لی  
ایہہ قرآن مجید دے معنی نہیں ہیرے شعر میاں وارث شاہ دے لی (۳۵)

ہیر روح تے چاک قلبوت جالوں، بال ماتھ ایہہ جھ بٹلا لی  
پچ جھ حواس ایہہ پچ تیرے جھان تھانیا تڈھ لوں لایا لی (۳۶)

سید ہاشم شاہ (۱۸۴۳ء تا ۱۹۲۳ء) (۳۷)

سید ہاشم شاہ زمانی اعتبار سے پنجابی کلاسیکل شاعری کے سالوہیں عوامی صوفی شاعر ہیں۔ ہاشم شاہ کا شہرہ عالم قصہ "سنسی پنوں" پنجابی داستانیں ادب کا پر سوز اور پردرد کلاسیکل شاہکار ہے۔ ہاشم شاہ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد محمد شریف سے حاصل کی جو جید عالم، مامور حکیم اور صوفیہ طبعیت کے مالک تھے۔ ازاں بعد قصور سے ظاہری علوم حاصل کئے اور حکمت، رمل، نجوم میں دسترس کے ساتھ فارسی، عربی، ہندی اور سنسکرت پر عبور حاصل کیا۔ طبعیت پر درویشی رنگ غالب تھا۔ حضرت بخت جمالؒ لو شاعری قادری کے مرید ہوئے، اور لوگوں کو حکمت و معرفت کی دولت بانٹنے میں مصروف ہو گئے۔ روایت کے مطابق ہاشم شاہ نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کا علاج کیا، جس کے عوض مہاراجہ نے تھریال (سیالکوٹ) میں جاگیر دی۔ آپ سادگی اور فقیری مزاج کے دردمند انسان تھے۔

ہاشم شاہ پنجابی زبان کے مشہور اور مقبول عوامی صوفی شاعر ہیں۔ آپ قادر الکلام اور فی البدیہہ گورمزید شاعر تھے۔ آپ نے تیرہ (۱۳) کتابیں لکھیں اور کئی رومانی داستانوں کو منظوم کیا، ان کتب میں سنسی پنوں، سنسی ہینوال، ہیر رانجھا، شیریں فرہاد، لیلے مہنوں، قصہ شاہ محمود غزنوی، رنج اسرار، دیوان ہاشم اور گیان پرکاش وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ہاشم شاہ کو آفاقی اور لافانی شہرت قصہ سنسی پنوں اور وجدانی عرفانی دو پہلوں سے ملی ہے۔ ہاشم شاہ کی شاعری میں درد و فراق، سوز، محرومی اور انسانی احساس و جذبات نگاری کے رمزیہ دریا پوری لطیفیائی سے بہہ رہے ہیں۔ آپ کا مختصر قصہ "سنسی پنوں" سوز و گداز، جھن جھان اور ہجر و فراق کے دہکتے جذبات کی انرٹ مصوری کے ساتھ ساتھ اسلامی تصوف کے عارفانہ اور وجدانی مضامین بھی مکمل صوفیانہ

آہنگ کے ساتھ پیش کرتا ہے، اس حوالے سے ہاشم شاہ نے کوزے میں دریا بند کر دیا ہے۔ ہاشم شاہ کے تصویری اور کیمیائی دوہڑے تصوف کی خوبصورت چاشنی بانٹتے ہیں۔ آپ کو "شاعر درد و فراق" بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کا کلام روایتی، رمز بیانی، درد نگاری، واقعہ نگاری اور فکری فنی خوبیوں سے مالا مال ہے جو باہمال بھی ہے اور باکمال بھی۔ ہاشم شاہ نے اپنی "سنسی" کی روایتی کرداروں کو روحانی رنگ روپ (سنسی (روح)، بیل (خدا)) دے کر رمز و معرفت کی خوبصورت تفہیم کی ہے۔ ہاشم شاہ نے روایتی کردار سنسی کو برہماری پیاسی روح اور بد ارجن کی فقیری تڑپ بنا کر ہمیشہ کے لیے زندہ جاوید کر دیا ہے۔ گو ہاشم شاہ نے تصوف کے سارے مضامین فقر، رضا، عجز، عرفان، فکر آخرت، جذب و مستی، عمل، بیداری وغیرہ عرفانی رنگ میں بیان کئے ہیں مگر فلسفہ وحدت الوجود اور دنیا کی بے ثباتی کو نمایاں لہجے میں فقیری انداز میں بیان کیا ہے۔ آپ کی زبان فارسی آمیز، پراثر، عوامی اور فصاحت و بلاغت سے معمور ہے۔ ہاشم شاہ دوہڑے کو چار دھڑوں میں گلے والے پہلے شاعر ہیں آپ کا ہر سوز کلام دلوں میں شعلے بھڑکاتا چلا جاتا ہے۔ ہاشم شاہ کی پروردگار کیلئے شاعری کی چند جھلکیاں دیکھتے ہیں۔

حکمت مال حکیم ازل دے لعل نگار بنا  
ہر رواج امیر عشق دی، قید جسم و جہاں پنا  
جو مخلوق نہ باہر اس تھیں ارض سا و جہاں آ  
ہاشم جوش نگار عشق دے، ہر اک شان و بنا (۳۸)

دل تو ہیں لہر بھی تو ہیں اتے وید تو ہیں دکھ تیرا  
نیزد بھکھ آرام تو ہیں توں اتے تیں، من جگت اندھیرا  
نیں پران حیاتی تو ہیں، تو ہیں نکلیہ ذرا  
ہاشم سانجھ تھارے دم دی ہو ویدا ملک بھیرا (۳۹)

جہنگ لے نہ نیوں جاگر میں ہیر آ ہی ایللی  
میں چور ہوئی جگ سارے میرا تیں، من ہو نہ نیلی  
چاکا چاک میرا دل کر کے صحن مت جا چھوڑا کیلی  
ہاشم دین الاماں ماپے ہوئی ہیر راغھن دی چلی (۵۰)

اکے تار بہار نہ رہندے نہ اکے طود زماں  
ہر دن چال نہیں ایللی نہیں ہر دم زور جولاں  
روون سوگ ہمیش نہ ہووے نہیں رت رت راگ شہاں  
ہاشم بیٹھ سویاں لکھ ذراں ایہہ جگت مسافر خاناں (۵۱)

مارک ہر ملک سنسی دے مہندی مال بھٹھارے  
عاشق وکھ بے اک واری جی تنہاں پر وارے  
بالو ریت تپے وچ ترکن بھنوں جوں بھپارے  
ہاشم وکھ یقین سنسی دا پھیر نہیں دل ہارے (۵۲)

۱۷ مور ویش حضرت نجل سرمستؒ پنجابی کافی کے تیسرے بڑے اور پنجابی کلاسیکل شاعری کے آٹھویں عوامی صوفی شاعر ہیں۔ آپ نے پنجاب سے باہر سندھ (خیر پور، درازا) میں پنجابی صوفیانہ شاعری کے ابتدائی چراغ جلائے ہیں۔ آپ نے سندھ کے معروف درویش حضرت میاں صاحب ڈنڈ کے صاحبزادے خواجہ صلاح الدین کے ہاں جنم لیا۔ اصل نام عبدالوہاب، مادرزاد ولی تھے، جو کہتے تھے سچ ہوتا تھا، اس لئے ”نجل“ کہلائے۔ حافظ قرآن تھے، ہارونیت جذب و مستی میں رہتے تھے۔ اپنے چچا اور سر خواجہ عبداللہ قاروی کے مرید ہوئے۔ آپ کا ل عارف ولی اللہ اور منصور کی فکر کے علمبردار تھے۔ ساری زندگی مجر و بیت میں گزار لی۔ محفل سماع کے عاشق تھے۔ عارفانہ اشعار سن کر وجد طاری ہو جاتا۔ آپ نے سیاسی، سماجی اور تہذیبی آشوب کو قریب سے دیکھا۔ آپ کی کئی کراٹھیں مشہور ہیں۔ سندھ اور پنجاب میں آپ کی سرمست شخصیت اور شاعری مشہور اور مقبول ہے۔

حضرت نجل سرمستؒ تفت زبانی شاعر تھے آپ نے فارسی، عربی، سندھی، پنجابی، ہندی اور اردو میں بھر پور عارفانہ شاعری کی ہے۔ فارسی میں آشکار اور سندھی پنجابی میں نجل اور چوتھیں رکھتے تھے۔ آپ فلسفہ وحدت الوجود اور منصور کی فکر کے بے باک صوفی شاعر ہیں۔ آپ سندھ میں رہتے ہوئے پنجاب کی دھرتی سے روحانی اور فکری حوالے سے جڑے قادر الکلام کلاسیکل پنجابی صوفی شاعر ہیں۔ پنجابی شاعری میں شاہ حسینؒ، بٹھے شاہ اور سلطان باھو کی شعری فکر سے متاثر ہیں۔ بٹھے شاہ کے حوالے سے کہتے ہیں ”بٹھے شاہ کوئی میرا کی توئی جھساں داسھر قصور“ آپ نے پنجابی میں کانیاں سی حرفیاں، دوہڑے اور غزلیں لکھی ہیں اور سرمست عارفانہ شاعری کے گلستاں کھلا دیئے ہیں۔ آپ کے پنجابی کلام کو سرائیکی کلام بھی کہا گیا ہے جبکہ سرائیکی پنجابی زبان کا لہجہ ہے، کوئی علیحدہ زبان نہیں۔ آپ کے کلام میں ہیر رانجھا، سوختی مہینو ال، ڈھول مارو اور لیٹے مجنوں کی رومانی کردار..... روحانی علامتیں بن کر تصوف کی سرمست چاشنی بانٹ رہے ہیں۔ پنجابی میں آپ نے اپنی ساری صوفیانہ فکر کو ہیر رانجھا کی رمز پر اور عارفانہ علامت میں ڈھال دیا ہے۔ اور ہیر رانجھا کی عرفانی علامتیں چابھالا فانی لفظی رنگاری کرتی ملتی ہیں۔ آپ وجدانی حالت میں شاعری کرتے تھے۔ آپ کے کلام میں فکری فی رنگاری اور سحر انگیز موسیقیت ہے۔ آپ کا سوز و گداز سے مخمور نہائی لہجہ دل کی تاریں جلا دیتا ہے۔ مجازی رنگ میں آپ کی حقایق رمزیں اسلامی تصوف کی خوبصورت عکاسی کرتی ہیں۔ آپ عشقیہ جذبات کے طوفانی دریا اور عرفانی فکر کے سمندر ہیں۔ آپ نے کمال شعری براہ راستی معصوری اور جادوگری کی ہے۔ حضرت نجل کے واپسانہ شعری مضامین میں وحدت الوجود، عشق کی سرمستی و سیر دگی، خودی، فقر، جذب و مستی، بجز، بے قراری، عمل، بیداری، نفس کی پاکیزگی، ظاہر داری اور منافقت کی بے باک مذمت، زاری، آتش در و فراق اور وصل کی مستی کے سرمدی رنگ نمایاں ہیں اور جوش و ہوش کے منصور کی لہجے میں جادو بیانی کر رہے ہیں۔ آپ کی سرمست فکر لفظوں میں رقص کرتی ہے۔ حضرت نجل کی عارفانہ کلاسیکل شاعری کے کچھ رنگ دیکھئے:

خود ہے اوہو ای خود ہے نہیں اور کوئی لہندا  
طرحوں طرح تماشا اپنا جو آپ کریدا  
عاشق تھیوے آپ تے دیکھ حسن اپنے کوں  
نرا ”لالہ“ دا وچ بے خودی مریدا (۵۴)

میں وہیاں تخت ہزار، چھوڑ کے جھنگ سیالیں دا ستیاں وے  
رنگ پور میڈا روح نہ بھاوے، کھیڑے سبھ خوار  
میں تاں ملک رانجھو دی تھیاں وے (۵۵)

جیسی تھی میڈی آہسی دور نہ کریں وصال کنوں  
آپوں آپ بجال دکھایو ای میں گئی ہاں ہر حال کنوں (۵۶)

بغیر عشق دے ڈوچھا کوئی کمال نہیں  
نہیں جو عشق تاں اے دوست میڈا حال نہیں (۵۷)

صن دے جو ہر کارے چڑھدے ہاکے ٹین سپاہی  
شہر دیس دا کٹ کر نینن ڈیندا عشق گواہی  
عشاقاں دے سر چڑھ کر آوے فوج صن دی شاہی  
چل ٹرانے دا توں جگ وچ پردہ رکھیں الہی (۵۸)

میاں محمد بخشؒ (۱۸۳۰ء تا ۱۹۰۷ء) (۵۹)

حضرت میاں محمد بخشؒ پنجابی زبان کے مشہور مقبول عوامی صوفی شاعر ہیں۔ آپ پیدا آئی ولی تھے۔ والد کا نام میاں غلام الدین قادری تھا جو حضرت میراں شاہ غازی قلندر عرف دمزی والے (کھڑی شریف) کے گدی نشین تھے۔ میاں محمد بخشؒ نے ابتدائی تعلیم والد صاحب سے حاصل کی پھر مولوی محمد علی اور حافظا صر سے ظاہری علوم حاصل کئے۔ فقہ، حدیث اور تفسیر میں دسترس حاصل کی۔ حضرت سائیں غلام محمدؒ کی بیعت کی اور روحانی پیاس بجھائی آپ نے ساری زندگی درویشی اور انسانی خدمت میں گزار دی۔ صاحب کرامت بزرگ تھے طبیعت میں روحانی بے قراری اور جوش تھا سبیلہ دالہی میں سرست رہتے تھے۔ آپ درگاہ کھڑی شریف کے گدی نشین بھی رہے اور وہیں چلہ گاہ بنا کر عبادت میں مشغول رہتے۔ کشمیر اور پونچھ پار میں یہ کہاوت مشہور ہے کہ پہاڑوں کے لوگ میاں صاحب کی بزرگی اور عارفانہ شاعری کی وجہ سے مسلمان ہوئے ہیں۔

میاں محمد بخشؒ پنجابی کے مشہور عوامی آفاقی کلاسیکل شاعر ہیں۔ گو آپ نے مترہ کتب لکھیں مگر وارث شاہؒ کی "نیر" کی مانند آپ کو اصل شہرت اپنی شہرہ آفاق مثنوی "سیف املوک" سے ملی ہے۔ آپ کی دیگر کتب میں سوئی مینوال، شیریں فرہاد، مرزا صاحبان، قصہ شیخ صنمان، قصہ شاہ منصور، قصہ میراں، قصہ رسولیہ، سی حرفی، دو ہزار اجات، غزلیات اور چھپیاں وغیرہ مشہور ہیں۔ داستان "سیف املوک" کو پنجابی میں سب سے پہلے مولوی لطف علی بہاولپوری نے لکھا تھا۔ میاں صاحب کی عوامی زبان، قادر الکلامی، جادو بیانی، تمثیل نگاری، واقعہ نگاری، منظر نگاری، کردار نگاری، درد نگاری، جذبات نگاری، موسیقیت، ادبی چاشنی، رمز بیانی اور عارفانہ آجنگ ایسا با کمال اور لازوال ہے کہ فکر و فکر کو مسحور و مسحور کر دیتا ہے۔ آپ کی یہ آفاقی مثنوی پنجابی زبان کی عوامی اور عارفانہ شاعری کا شاہکار ہے۔ آپ نے عشق مجاز کی شیشی میں عشق حقیقی کا لافانی عطر نچوڑ دیا ہے۔ آپ کی عارفانہ شاعری مولانا رومیؒ کے فلسفہ "ہر کل میں جملے کیلئے ہے چین ہے" کی مکمل تصویر اور تفسیر ہے۔ اسی لئے آپ کو پنجاب کا رومی بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کی تخلیق "سیف املوک" روایتی کہانی کے ساتھ ساتھ انسانی عز و ہمت، حوصلے، صبر، عمل، جدوجہد اور روحانی سفر کی نقشیں اور پراثر داستان بھی ہے۔ آپ کے قصے میں دیو، پریاں اور دوسری مخلوقات اور ان کے باوجود زندہ حقیقی انسانی کرداروں میں نظر آتی ہیں، آپ نے رمز یہ تمثیلوں کے ساتھ ذخیر الہی، توحید و فقر، جذب و مستی، فلسفہ وحدت الوجود، عشق، ذکر، فکر، پاکیزگی، مثنائی اللہ، عمل، بیداری، زہد و تقویٰ، اخلاق، درد و فراق، رواداری، انسانی مساوات، ہمت، صبر، امید، دنیا کی بے ثباتی اور فکر آخرت کے صوفیانہ مضامین بڑے عرفانی اور وجدانی لہجے میں بیان کئے ہیں۔ "سیف املوک" کی کرداری

پرئیں بھی گہرا روحانی علامتی رنگ و روپ رکھتی ہیں، جن میں حاتم شاہ..... صبر، سیف، املوک..... روح، بلبل الجہاں.....  
 جمال خدا، شاہجہرے..... صدق و صفا، دریا سمندر..... زندگی، پہاڑ جنگ..... نئے جہان، بہرام دیو..... شر، شاہپال دیو.....  
 خیر و غیرہ زندگی اور روحانی آگہی کی خوبصورت عکاسی کرتی ہیں۔ آپ کے ہاں انسانی طبقاتی نظام کے خلاف بھرپور مزاحمتی  
 رنگ بھی ملتا ہے۔ آئیے آپ کی کلاسیکل شاعری کا کچھ آپ حیات پیتے ہیں:

جہاں پاک گھٹ بھر کے پیتا وحدت دے مدھ لالوں  
 علم کلام نہ یاد ریو نے گزرے قال مقالوں (۶۰)

سن مرلی دی کلز کوکوں درد وچھوڑا وکھ دا  
 سبھنا دا ایہہ حال محمد کہو کیہ حال منکھ دا (۶۱)

بات مجازی رمز حقانی دن ہاں دی کاٹھی  
 سفر عشق کتاب ہائی سیف چچھی وچ لاٹھی (۶۲)

مردا ہمت ہار نہ مولے مت کوئی کہے مر دا  
 ہمت مال لگے جس کوڑے پائے باجھ نہ مر دا (۶۳)

جس دل اندر عشق نہ رچیا کتے اس نہیں چٹکے  
 خاوند دے در راگھی کردے صابر، بھکھے، بنگے (۶۴)

لوئے لوئے بھر لے کر پیئے جے تھ بھاڈا بھرا  
 شام پئی دن شام محمد گھر جامدی نے ڈنا (۶۵)

دنیا تے جو کم نہ آیا اوکھے سوکھے ویلے  
 اس بے فیضی سنگی کوکوں بہتر یار اکیلے (۶۶)

لکھ ہزار بہار حسن دی خاکو وچ سائی  
 لا پریت محمد جس تھیں جگ وچ رہے کہانی (۶۷)

خولجہ غلام فریدؒ (۱۸۴۱ء تا ۱۹۰۱ء) (۶۸)

معروف چشتی درویش حضرت خولجہ غلام فریدؒ پنجابی کافی کے چوتھے بڑے عوامی کلاسیکل شاعر ہیں۔ حضرت خولجہ غلام فریدؒ  
 کو پنجابی کافی کا امام بھی کہا جاتا ہے آپ کے والد خولجہ خدا بخشؒ، درزا دینی ویزرگ تھے۔ خولجہ صاحب کا تاج رنجی نام "خورشید  
 عالم" تھا مگر پنجاب میں چشتی سلسلے کے عظیم مبلغ درویش حضرت بابا فرید گنج شکرؒ سے خصوصی عقیدت کی وجہ سے آپ کا نام "غلام  
 فرید" رکھا گیا۔ آپ کی ظاہری و باطنی تعلیم و تربیت آپ کے بڑے بھائی خولجہ غلام فرید الدینؒ نے کی۔ آپ نے خولجہ غلام فرید  
 الدینؒ کی بیعت کی جنھوں نے آپ کو تصوف کی ساری منزلیں طے کروادیں۔ خولجہ فرید الدینؒ کے وصال کے بعد آپ گدی  
 نشین ہوئے۔ حضرت خولجہ فریدؒ تاریخ جغرافیہ، فقہ، حدیث، تفسیر، تصوف، منطق، علم الانساب، رمل نجوم اور موسیقی کے عالم

تھے۔ آپ کو عربی، فارسی، ہندی، مارواڑی، اردو اور پنجابی پر کافی دسترس تھی۔ خواجہ صاحب نے پاک و ہند کے کئی علاقوں کی سیاحت کی اور حج کی سعادت بھی حاصل کی۔ آپ فطری مناظر کے دلدادہ تھے۔ آپ نے روہی (پنجستان) میں اٹھارہ سال گزارے، جہاں آپ ظاہری باطنی نظاروں میں محو رہے اور لازوال بھاریہ شاعری کی۔

خواجہ غلام فرید کی عوامی پنجابی صوفیانہ شاعری پنجاب بھر میں مشہور و مقبول ہے۔ پنجابی عرفانی کافی کا جو کل شاہ حسینؒ، نبیہ شاہ اور چل سرست نے تعمیر کر کے نکھارا سجایا، اسے اصول نامہ مکمل بنانے کا سہرا خواجہ غلام فریدؒ کے سر چلتا ہے۔ خواجہ صاحب نے پنجابی کافی کو تنزل کی چاشنی دے کر فکری اور فنی حوالے سے خوبصورت اور امیر بنا دیا ہے۔ خواجہ صاحب کی صوفیانہ شاعری..... حب الہی، حب رسولؐ، فقر، فلسفہ وحدت الوجود، خودی، وجدان، عرفان، ذکر، فکر، عاجزی، جذب و مستی، صبر، رضا، دنیا کی بے ثباتی، نفس کی پہچان اور روحانی وصال و فراق کے سرست مضامین سے مالا مال ہے۔ آپ ابن عربی کے فلسفہ وحدت الوجود کے بے باک صوفی شاعر اور مبلغ ہیں۔ فلسفہ عشق، مرشد سے والہانہ پیار، روحانی درد و فراق اور ”روہی“ کی رنگ رنگیلی، سوز منظر یہ شاعری خواجہ فرید کی لافانی اور کلاسیکل پہچان رکھتی ہے۔ آپ کی مدھر موسیقی سے بخور کلاسیکل شاعری قادر الکلامی، روائی، جادو بیانی اور عرفانی رمز بیانی کا ایک سرست دریا ہے جو ہم و عرفان کی زمینوں کو سیراب کرتا چلا جاتا ہے۔ ”روہی“ کے حوالے سے سنی کی علامت سے معمور آپ کی فراتر شاعری سوز و گداز کے وہ لافانی گیت ہیں جو روح میں اترتے چلے جاتے ہیں۔ آپ کی شاعری میں سنی، بہر..... روح پنل، رانجھا..... خدا اور قہل..... درد و فراق کی مجازی اور حقیقی علامتیں بن کر رمز و آگہی کے عرفانی رنگ میں جلوہ گر ہیں۔ آپ نے اردو دیوان کے ساتھ ملفوظات بھی بیان کیے ہیں۔ خواجہ صاحب کا ملاتی لہجہ شیریں اور رُکشش ہے آئے آپ کی شاعری کا لطف اٹھاتے ہیں۔

ہے عشق دا جلوہ ہر ہر جا سبحان اللہ سبحان اللہ  
خود عاشق خود معشوق بنا سبحان اللہ سبحان اللہ (۶۹)

سوہنے یار پنل دا ہر جا عین حضور  
اول آخر، ظاہر باطن، اس دا جان ظہور  
آپ بنے سلطان جہاں دا آپ بنے مزدور  
چشماں فخر الدین مٹھل دیاں، تن من کیتا چور (۷۰)

میڈا عشق وی توں میڈا یار وی توں  
میڈا دین وی توں ایمان وی توں  
میڈا جسم وی توں میڈا روح وی توں  
میڈا قلب وی توں چند جان وی توں (۷۱)

عشق ہے دکھڑے دل دی شادی  
عشق ہے رہبر، مرشد، ہادی  
عشق ہے ساڈا عہد جنیں کل راز بھالیا (۷۲)

کیا حال سناواں دل دا کوئی محرم ہار نہی دا  
 مونہہ دھوڑی سر پائیم سارا رنگ موزوں جائیم  
 کوئی کچھن نہ دھوڑے آئیم ہتھوں آلتا عالم کھل دا (۷۳)

رو ہی گزری ہے ساواں تر تولا ہوت مہاراں  
 کھدیاں کھمن رنگیولیاں رسم جسم بارش مہاراں  
 سارے سنگس سہاگڑے یا معلم آیاراں (۷۴)

مولوی غلام رسولؒ عالمپوری (۱۸۴۹ء تا ۱۸۹۲ء) (۷۵)

قرآنی قصہ "یوسف زلیخا" المعروف "حسن القصص" کے شہرہ آفاق پنجابی کلاسیکل شاعر مولوی غلام رسولؒ عالمپوری زبانی اعتبار سے کلاسیکل پنجابی شاعری کے آخری عظیم صوفی شاعر شمار ہوتے ہیں۔ چھ ماہ کی عمر میں والدہ ماجدہ کے وصال کے بعد آپ کی پرورش آپ کے والد مراد بخش نے کی۔ ابتدائی تعلیم مولوی حامد اور مولوی عثمان سے حاصل کی فقہ، حدیث اور عربی فارسی میں کمال وحسن حاصل کی۔ صاحب کشف بزرگ تھے۔ قدرت کی طرف سے طبع موزوں اور عرفان و وجدان سے بھرپور عطا ہوئی۔ آپ نے معروف چشتی بزرگ حضرت نظام الدین اولیا کے سجادہ نشین سے روحانی فیض حاصل کیا۔ روایت کے مطابق آپ لہال کے مرتبہ پر فائز تھے۔ آپ نے مدرس اور امامت کا پیشہ اختیار کیا۔ دن رات لوگوں کو دین و دنیا کا علم بانٹنے اور انسانیت کی خدمت کرتے تھے۔ زود گو اور قادر الکلام شاعر تھے کہ مختصر عمر میں ہزاروں خوبصورت اشعار کہے۔ آپ کی کئی کراستیاں مشہور ہیں۔

مولوی غلام رسولؒ عالمپوری کی عوامی پنجابی کلاسیکل شاعری پنجاب بھر میں مشہور اور مقبول ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک پنجاب کی چوپالوں میں وارث شاہ کا قصہ "نیر" اور مولوی صاحب کا قصہ "یوسف زلیخا" بڑے ذوق و شوق سے سنا جاتا تھا۔ ان قصوں کے حافظ اور محکم جب مخصوص ترنم سے یہ قصے پڑھتے تو لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ بندھ جاتے اور لوگ سانس لینا بھول جاتے۔ یوں تو مولوی صاحب نے "حسن القصص" کے علاوہ داستان امیر حمزہ (تین جلدیں)، چھایاں، سی حرفی، .... حلیہ شریف، سنی پتوں، چوپٹ، امہ، چندا مہ اور دوسرا کلام لکھا مگر آپ کو آفاقی شہرت "حسن القصص" اور اپنی عوامی چٹھیوں سے ملی ہے۔ مولوی صاحب نے یہ قرآنی قصہ .... قرآن پاک کی سورہ یوسف، تفسیر امام غزالی، فارسی مثنوی جامی اور اسرائیلی روایات اخذ کر کے لکھا ہے۔ عرفانی امر اور موز سے پرلوراس آفاقی تخلیق میں مولوی صاحب نے باکمال قصہ نگاری، واقعہ نگاری، منظر نگاری، کردار نگاری، سراپا نگاری، مکالمہ نگاری اور رد نگاری کے ساتھ زبان و بیان کے اصول دریا بجا دیے ہیں۔ آپ شعری صنعت نگاری کے بادشاہ لغظوں کے جادوگر اور حقائق و معارف کے مفسر ہیں۔ فارسی رچاؤ سے معمور آپ کی پرلیغ مثنوی "حسن القصص" فکری اور فنی رنگارنگی کے وہا دریاغ ہے جس میں ہر رنگ کا پھول اور ہر قسم کی خوشبو موجود ہے۔ آ نے حضرت یوسف کی پیغمبرانہ شان کو مد نظر رکھتے اور خیر و شر کی کشمکش دکھاتے ہوئے حضرت یوسف کو مرد مومن اور مرد پاکباز اور زلیخا کو پہلے گناہگار پھر بے عین روح کی علامت بنا کر پیش کیا ہے۔ آپ نے یہ فلسفہ اجاگر کیا ہے کہ انسان آزمائشوں کے بعد ہی کمال کا مہاب انسان بنتا ہے اور دکھ انسان کو کنڈن بنا دیتے ہیں۔ آپ کی شاعری میں اسلامی تصوف کے سارے مضامین .... حب الہی، حب رسولؐ، فقر، عشق کی اہمیت و سرمستی، فنا فی اللہ، ذکر فکر، نفس کی پاکیزگی، خودی، صبر، تواکل، شکر، رواداری، دنیا کی بے ثباتی، فکر آخرت، بندگی، ہجر، عمل، وحدت الوجودی رنگ و غیرہ عرفانی لہجے میں بیان ہوئے ہیں، جو قلب و روح کو معطر



کرتے چلے جاتے ہیں۔ آپ کے فکری جمال کے کچھ عکس دیکھئے:

عشق بھٹا اخلاص نہلایا رنگیا رنگ شہودی  
صدق صفا دی آپ ہوائیں چلیا وچ خوشنودی  
ازل ازالی لب آبادی حمد دوام دوام  
وچ دربار وجوب غنا دے ایہہ سرمیز ہمای (۷۶)

عشق ہیں دل مردہ غافل کس مکتبی وچ آوے  
عشق دلاں لوں حقل غماں تھیں کر شمشیر وکھاوے  
آتش عشق دکھاں دا دوزخ جل مل ہو انگیارا  
ہو کے اک سا وچ آتش ناں پاویں چھٹکارا (۷۷)

اے ساقی بھر جام شرابوں دے مخموں تاکیں  
دل وچ درد ہویا انگیارا قطرہ گھٹت بجھائیں (۷۸)

یوسف پچھے دی زینا کدھر گئی جوانی  
کہے زینا عشق تیرے تھیں کر چھڈی قربانی  
یوسف پچھے دی زینا کتھے تیریاں مثالاں  
کہے زینا اوہ دن گذرے بدلایا ہو زمانہ (۷۹)

علم الہی موڑ نہ سکدے توں میں تے جگ سارا  
پوے معیبت بندے تاکیں باجھوں صبر نہ چارہ (۸۰)

ہے ادباں مقصود نہ حاصل تے درگاہ نہ ڈھوئی  
تے منزل مقصود نہ پہنچا باجھ ادب تھیں کوئی (۸۱)  
ان بڑے پنجابی کلاسیکل شعراء کے علاوہ بھی کچھ پنجابی شعراء میں کلاسیکل رنگ موجود ہے، مگر ہم انہیں مکمل آفاقی کلاسیکل شاعر نہیں کہہ سکتے۔

انھیں یہ کہ پنجابی شعراء کی کلاسیکل شاعری کا اجمالی جائزہ لینے کے بعد یہ حقیقت مکمل علمی ادبی چٹائی کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ پنجابی کے صوتی آفاقی کلاسیکل شعراء نے انسانی کردار کی بھرپور تصویر اور دلکش تزئین کیلئے تاریخی اور منظر و فعال کردار ادا کیا ہے۔ اس زندہ جاوید اور پرتا شیرنا بندہ شاعری نے انسانی شعور اور فکر کی باکمال آبیاری کی ہے اور مثبت اقدار کا مقام معتبر بنا کر آدمیت کو بے پناہ قیود دی ہے۔ اس ادبی فلاحی شاعری نے جہاں انسانی سوچ کو توحید، پاکیزگی، ذکر فکر، فقر، صبر، عشق کی سرمستی، حق، عمل، اخلاق، بیداری، خودی، عرفان، ہمت، رواداری اور انسانی مساوات کی پروردارش سے منور کیا ہے، وہاں اس انقلابی شاعری نے انسانی سماج میں خیر کی بھرپور طاقت بن کر سماجی، تہذیبی، معاشرتی، معاشی اور مذہبی ظلم و جبر، تعصب، نفرت،

استعمال اور دنیا کاری کی کھل کر خدمت کی ہے۔ پنجابی صوفیا و شاعری نے زندگی اور زندگی کی چچی اور لہری درخشاں راہ دکھلا کر انسانیت پر احسانِ عظیم کیا ہے۔ کلاسیکل پنجابی شاعری نے نسلِ آدم کو ظاہری اور باطنی حوالے سے ایک نئی خوبصورت اور آئینہ دل دنیا سامنے کا فلاحتی پیغام دیا ہے، جس میں شور و آگہی اور عرفان و ایمان سے سرچا رخوب سیرت زندگی کھل کر امانی اور رعنائی سے جلوہ گر ہے۔ بلاشبہ کلاسیکل پنجابی شاعری ..... حالی ادب عالیہ کا اصول اور مفر دسر مایہ ہے، جس کا آفاقی اور عرفانی پیغام آدمی کو فلسفے کی خوبصورت حکمتی کرتا ہے۔

## حوالہ جات

- ۱۔ ڈاکٹر غفران سید، کلاسیکی ادب، عزیز پبلشرز، چوک اردو بازار لاہور ۱۹۷۳ء، ص ۳۲
- ۲۔ پروفیسر محمد اسماعیل بھٹی، اظہار، دی پنڈ، (مرتب: اقبال صلاح الدین) عزیز پبلشرز، اردو بازار لاہور ۱۹۷۳ء، ص ۳۰۹
- ۳۔ عذرا وقتہ تصوف کی پنجابی روایت، نگارشات، پبل روڈ، لاہور ۱۹۹۵ء، ص ۸
- ۴۔ علی عباس جلیپوری، وحدت الوجود سے پنجابی شاعری، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، لاہور، ۱۹۹۳ء، ص ۱۵
- ۵۔ عبدالغفور قریشی، پنجابی ادب دی کہانی، عزیز پبلشرز، چوک اردو بازار لاہور ۱۹۷۳ء، ص ۱۲۵
- ۶۔ پروفیسر یوسف عظیم چشتی، تاریخ تصوف، دارالکتاب، اردو بازار لاہور کن درخت فیکس، ص ۱۲
- ۷۔ ڈاکٹر لاہوتی رام کرشن، پنجابی کے صوفی شاعر، (اردو ترجمہ: امجد علی بھٹی) بک ہوم، مرکز روڈ، لاہور ۲۰۰۲ء، ص ۲۶
- ۸۔ محمد آصف خاں، (مرتب) آکھیل بابا فرید نے، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، لاہور ۱۹۷۸ء، ص ۲۵
- ۹۔ بابا فرید چغتائے شکر، آکھیل بابا فرید نے، ایضاً، ص ۱۳۹
- ۱۰۔ ایضاً، ص ۱۷۲
- ۱۱۔ ایضاً، ص ۱۶۹
- ۱۲۔ ایضاً، ص ۱۸۲
- ۱۳۔ ایضاً، ص ۲۲۹
- ۱۴۔ ڈاکٹر نذیر احمد، (مرتب) کلام شاہ حسین، بکچر لیجنڈ، لاہور ۱۹۷۹ء، ص ۵
- ۱۵۔ شاہ حسین، کلام شاہ حسین، ایضاً، ص ۵۷، ۵۸
- ۱۶۔ ایضاً، ص ۶۹
- ۱۷۔ ایضاً، ص ۱
- ۱۸۔ ایضاً، ص ۷۲
- ۱۹۔ ایضاً، ص ۵۸
- ۲۰۔ عبدالغفور قریشی، پنجابی ادب دی کہانی، ص ۲۵۸
- ۲۱۔ سلطان باہق، کلام باہق (مرتب: ڈاکٹر نذیر احمد) بکچر لیجنڈ، لاہور ۱۹۸۱ء، ص ۱
- ۲۲۔ ایضاً، ص ۹
- ۲۳۔ سلطان باہق، کلام باہق، ص ۱۲
- ۲۴۔ ایضاً، ص ۸۲
- ۲۵۔ ایضاً، ص ۷
- ۲۶۔ ایضاً، ص ۲۹

- ۲۷۔ حمید اللہ ہاشمی، پنجابی زبان و ادب، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۱۹۸۸ء، ص ۱۵۳، ۱۵۴
- ۲۸۔ پھیر شاہ آکھیا کھے شاہ نے، (مرتب: محمد آصف خاں) پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۵۷
- ۲۹۔ ایضاً، ص ۶۱۸
- ۳۰۔ ایضاً، ص ۱۳۶
- ۳۱۔ ایضاً، ص ۲۵۲
- ۳۲۔ ایضاً، ص ۱۰۱
- ۳۳۔ غلام رسول حسرت، لعل بیرے، حسرت سز اینڈ کمپنی، پیر محل لائل پور (فیصل آباد) ۳۷، ۱۹۷۷ء، ص ۸
- ۳۴۔ علی حیدر کلیات علی حیدر (مرتب: ڈاکٹر فقیر محمد فقیر) پنجابی ادبی اکیڈمی، لاہور، ۱۹۶۳ء، ص ۱۰۴
- ۳۵۔ ایضاً، ص ۳۲
- ۳۶۔ ایضاً، ص ۶۹
- ۳۷۔ ایضاً، ص ۱۱
- ۳۸۔ ایضاً، ص ۶۹
- ۳۹۔ عبدالغفور قریشی، پنجابی ادب دی کہانی، ص ۳۰۲، ۳۰۹
- ۴۰۔ وارث شاہ، بیر وارث شاہ (مرتب: شیخ عبدالعزیز)، پینڈا کینڈی، دو سو ریسرچ، لاہور، ۱۹۸۷ء (۲۱ روم)، ص ۱
- ۴۱۔ ایضاً، ص ۲۸
- ۴۲۔ ایضاً، ص ۱۳۹
- ۴۳۔ ایضاً، ص ۱۳۰
- ۴۴۔ ایضاً، ص ۲۳۰
- ۴۵۔ ایضاً، ص ۱۱
- ۴۶۔ ایضاً، ص ۳۹۰
- ۴۷۔ حمید اللہ شاہ ہاشمی، پنجابی زبان و ادب، ص ۱۷۷
- ۴۸۔ ہاشم شاہ، کلارے (مرتب: ڈاکٹر فقیر محمد فقیر) پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۷۷
- ۴۹۔ ایضاً، ص ۲۲
- ۵۰۔ ایضاً، ص ۴۷
- ۵۱۔ ایضاً، ص ۳۰
- ۵۲۔ ایضاً، ص ۱۰۱
- ۵۳۔ عبدالغفور قریشی، پنجابی ادب دی کہانی، ص ۳۱۵، ۳۱۶
- ۵۴۔ نکل مرست، آکھیا نکل مرست نے، (مرتب: شفقت تویر مرزا) پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، لاہور، ۱۹۹۶ء، ص ۳۶۶
- ۵۵۔ ایضاً، ص ۲۳۰
- ۵۶۔ ایضاً، ص ۱۰۲
- ۵۷۔ ایضاً، ص ۱۳۸
- ۵۸۔ ایضاً، ص ۷۸
- ۵۹۔ حمید اللہ شاہ ہاشمی، پنجابی زبان و ادب، ص ۲۰۳
- ۶۰۔ میاں محمد بخش، سیف السلوک (مرتب: اقبال صلاح الدین)، عزیز پبلشرز، اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۶ء، ص ۳۳
- ۶۱۔ ایضاً، ص ۲۳۷
- ۶۲۔ ایضاً، ص ۲۷

- ۶۳۔ میاں محمد بخش، سیف السلوک، (مرتب: اقبال صلاح الدین) ص ۲۶
- ۶۴۔ ایضاً، ص ۳۵
- ۶۵۔ ایضاً، ص ۲۲۳
- ۶۶۔ ایضاً، ص ۲۲۳
- ۶۷۔ ایضاً، ص ۲۲۳
- ۶۸۔ عبدالغفور قریشی، پنجابی ادب کی کہانی، ص ۳۸۶
- ۶۹۔ خوجہ غلام فرید، آکھیا خوجہ غلام فرید نے (مرتب: محمد آصف خاں) پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، لاہور، ۱۹۹۲ء ص ۲۷۲
- ۷۰۔ ایضاً، ص ۱۴۶
- ۷۱۔ ایضاً، ص ۲۲۳
- ۷۲۔ ایضاً، ص ۵۵
- ۷۳۔ ایضاً، ص ۶۳، ۶۴
- ۷۴۔ ایضاً، ص ۲۱۸
- ۷۵۔ عبدالغفور قریشی، پنجابی ادب کی کہانی، ص ۳۹۳، ۳۹۵
- ۷۶۔ مولوی غلام رسول مانیپوری، احسن القصص، پنجابی ادبی اکیڈمی، لاہور، ۱۹۶۱ء، ص ۱
- ۷۷۔ ایضاً، ص ۹، ۱۰
- ۷۸۔ ایضاً، ص ۵
- ۷۹۔ ایضاً، ص ۲۷۳، ۲۷۴
- ۸۰۔ ایضاً، ص ۶۲
- ۸۱۔ ایضاً، ص ۲۸۶